© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

فارسی کا ایک شاعرِ دلنواز ـــــ بیخود بوتالوی

ایک تعارف

کبھی وقت تھا جب پاکستان، بالخصوص خطۂ پنجاب، فارسی شعر و ادب کا بہت بڑا گہوارہ تھا۔ یہاں تک کہ وہاں کے بعض ناخواندہ اور نیم خواندہ لوگ بھی کم از کم گلستان و بوستان سعدی اور دیوانِ حافظ سے پوری طرح واقف اور ان کا باقاعدہ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ راقم نے اپنے لڑکپن میں ایسے کئی لوگ دیکھے ہیں، اور آج بھی، جب میں یہ سطور لکھنے بیٹھا ہوں، مجھے مصری شاہ (لاہور) کا وہ کشمیری صوفی (نانبائی) یاد آ رہا ہے جو اپنے کام سے فارغ ہو کر شام کے وقت دیوانِ حافظ لے کر بیٹھ جاتا اور پوری محویت میں اس کا مطالعہ کرتا۔ کیا اچھے دن تھے۔ گلستان و بوستان نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر رکھا تھا اور ان کے مطالعہ کے نتیجے میں، لوگ ایک دوسرے کے دل میں گھر کرنے کی مخلصانہ کوشش کرتے، اس طرح ہمدردی و غم گساری، پاک باطنی و پاک دلی اور مروت و اخلاق کا دور دورہ رہا۔ پھر سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور آیا اور انسان ان خوبیوں سے دور ہوتا چلا گیا کہ بقول حضرت علامہ؛

احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آج چھوٹوں کی دوڑ اس طرف لگی ہوئی ہے کہ وہ ڈاکٹر اور انجنیئر بن کر "قوم کی خدمت" کریں، بڑے دولت کے حصول میں دن رات سرگرداں ہیں۔ ان کا نصب العین دولت، دولت اور صرف دولت ہے۔ ایک عجیب اعصاب شکن صورت حال ہے۔ جو "مشین مین" ادب کے قائل نہیں بلکہ اسے فضول اور بیکار چیز گردانتے ہیں، وہی لوگ سب سے زیادہ ناآسودگی کا شکار اور اعصاب کے مریض ہیں۔ ادب آدمی کو صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔ یہ ایک لمبی بحث ہے۔ بہرحال آج کے اس دورِ پُرفتن میں بھی کچھ ایسے دیوانے موجود ہیں جو نہ صرف فارسی ادب کے عاشق ہیں بلکہ خود بھی فارسی میں بڑے پیارے شعر کہتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے نیاز ہو کر کرتے ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں ایک ایسے ہی دیوانے کا تعارف مقصود ہے جو بڑی خاموشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دربکانت گوشہ نشینی فارسی شعر کی خدمت کر رہا ہے۔ عمر کے آخری حصے میں ہوتے ہوئے بھی اس کا ذوق و شوق اسی طرح جواں ہے، ایسے لوگ قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں، لیکن انھیں کون جانے کہ ان کے پاس نہ تو کسی اخبار کا کالم ہے اور نہ کوئی کالم نگار ان کا دوست۔ بہرحال، خوشبو آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید۔

چوہدری خوشی محمد ایک خالص دیہاتی اور بوڑھا آدمی ہے۔ عمر کوئی ۷۲۔۷۳ کے لگ بھگ ہوگی۔ شعر میں بیخودؔ تخلص کرتا ہے۔ پہلی ملاقات میں وہ دیکھنے والے کو چٹا ان پڑھ نظر آئے گا۔ پھر اس کی گفتگو کا لہجہ بھی خالصتاً دیہاتیوں کا ہے۔ اس کے چہرے مہرے سے کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ شخص فارسی میں شعر کہہ سکتا ہے۔ بیخودؔ کے والد احمد یار وڑائچ ایک کسان اور چھوٹے موٹے زمیندار تھے۔ یہ پیشہ انھیں ورثے میں ملا تھا۔ اور خود بیخودؔ بھی اسی پیشے سے منسلک ہے۔ اس نے کسی مدرسے یا کالج کا منہ نہیں دیکھا (ویسے وہ اپنے لڑکوں کو دیکھنے کے لیے کئی مرتبہ گورنمنٹ کالج آیا ہے) جو کچھ پڑھا پڑھایا، قرآن مجید وغیرہ، اپنے والد اور والدہ ہی سے پڑھا ہے۔ ان دونوں کے جنت نشین ہونے کے بعد بیخودؔ نے اپنے بڑے بھائی چوہدری عطاء اللہ وڑائچ سے کسی قدر کسب فیض کیا ہے۔ بعد میں اگرچہ وہ اساتذہ ادب کے یہاں باقاعدگی سے تو نہیں جاتا رہا تاہم کبھی کبھار ان کی خدمت میں پہنچ کر ان سے استفادہ و استفاضہ کرتا رہا ہے۔ راقم کے نام اپنے ایک خط میں بیخودؔ رقم طراز ہے کہ: میں کسی طور بھی پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ کھیتی باڑی سے وابستہ ہوں۔ ہل چلاتا ہوں کہ میرے اجداد کا یہی پیشہ رہا ہے،

بجائے خامہ در دستِ تو چوبِ قلبہ رانی شد　　　چہ شد بیخود کہ از نظم تو بزم شوق آرائید

آگے چل کر لکھتا ہے، البتہ بعض علم و ادب دوست اور سخن فہم حضرات نے میری دلجوئی اور حوصلہ افزائی کی خاطر مجھے توصیفی خطوط لکھے، جس کے سبب میں مجبور ہوا کہ انھیں فارسی میں منظوم خط لکھوں۔ ان سب کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ بیخودؔ کے ایک دوست نے اپنی کتاب "رنگ سنگ" کو اس کے نام ان الفاظ میں معنون کیا:

"چوہدری خوشی محمد بیخودؔ — بوتالوی کے نام — جو حافظِ کلامِ حافظ شیراز ہے، جو فارسی زبان کا شاعر دلنواز ہے، جو خوشنویس نادرہ پرداز ہے، جس کی ذات پر خلوص و محبت کو ناز ہے۔"

پروفیسر آغا صادق حسین مرحوم فارسی اور اردو کے معروف شاعر تھے، وہ بھی بیخودؔ کے کلام سے متاثر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے فارسی مجموعۂ کلام "شاخِ طوبیٰ" میں بیخودؔ کی شخصیت وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ بیخودؔ کو ایسے دوستوں کی اس محبت کا پورا پورا احساس ہے اور وہ ان کا ممنونِ احسان ہے کہ انھوں نے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے، ورنہ خود اس کے بقول :

چہ گویم زندگی بے خوں بہا در مفت رفت از دست قتیلِ شوخیِ وعدہ پُر آزارے کہ من ہستم

فریبِ رنگِ گل خوردہ بہ گلگشتِ چمن بیخودؔ کنون بے دام و بے دانہ گرفتارے کہ من ہستم

بیخودؔ کا تعلق گوجرہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے گاؤں بوتالہ، چک ۳۰۶ / ج - ب سے ہے۔ اس کا خط نستعلیق ایک اچھے خوشنویس کی مانند خوب صورت اور دلکش ہے۔ اس کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا لڑکا ارشاد علی گورنمنٹ کالج، لاہور کا فارغ التحصیل اور آج کل گوجرہ کے گورنمنٹ کالج میں ریاضی کا پروفیسر ہے۔ دوسرا بیٹا غضنفر علی بھی گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے فارسی میں نمایاں حیثیت کے ساتھ کامیاب ہو کر تدریس کا پیشہ اپنانے کی کوشش میں ہے۔ یہ دونوں برخوردار بھی فارسی شعر و ادب کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے ہیں اور دونوں کا خط بھی اپنے والد کی طرح بڑا خوب صورت ہے، گویا "این خانہ ہمہ آفتابست"

بیخودؔ، حافظ شیرازی کا بہت معتقد ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ حافظ کا عاشق و شیدا ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ کسی متشاعر (بیخودؔ نے اس کا نام نہیں بتایا) نے حافظؔ کے بعض اشعار میں ترمیم کی۔ آغا صادق مرحوم نے وہ ترمیم و اصلاح شدہ دیوان بیخودؔ کو بھجوا دیا۔ اس نے اس پر کچھ لکھ کر پھر وہ دیوان آغا صادق کو ارسال کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے بعض ترامیم پہ زبردست تنقید کی اور مختصراً اظہارِ نظر کیا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو :

حافظ کا مصرع ہے : بدَم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اس شاعر صاحب نے اس میں یہ ترمیم کی : اگر دشنام فرمائی وگر نفرین دعا گویم

بیخودؔ نے لکھا ہے کہ حافظ نے جو کچھ کہا ہے وہ درست، ماضی سے وابستہ اور فیصل شدہ ہے۔ اس میں نہ شک ہے اور نہ مضارع۔ فاضل ترمیم کنندہ قواعدِ نحو سے بے نیاز اور معنیِ شعر سے مستغنی ہے۔ اس نے "اگر" (شرطیہ) سے شعر کو مشکوک اور مضارع بنا دیا۔ خدا معلوم کس نے اسے اس ترمیم پر مجبور کیا۔ غرض بیخودؔ نے صرف اس مختصر سی تنقید ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک مسلسل غزل میں اس نے ایسے شخص کو بے ہنر قرار دیا جو اپنے ضمیر کی اصلاح کیے بغیر کسی دوسرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ اس کے مطابق حافظِ شیراز کے اشعار کی تصحیح کرنے والا اپنی جہالت کی خود گواہی دے رہا ہے۔ اس غزل میں اس نے بعض دلچسپ تشبیہات و استعارات سے کام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیتے ہوئے (جن کا اس کے اپنے دیہاتی ماحول سے تعلق ہے) ترمیم کنندہ کی اچھی خاصی مرمت اور آخر میں اس پر رحم کی دعا کی ہے۔ چند اشعار:

من کہ دہقان زادہ ام، شاعر نیَم، لا فہم نہ من … روید اندر مرغزارم گو گلاب و یاسمین
بے ہنر باشد کہ او کوشد بہ اصلاح کسے … تا نہ خود کوشد بہ اصلاحِ ضمیر خویشتن
وآنکہ شعر حافظِ شیراز را تصحیح کند … شاہدِ جہلِ خود است او خود باین نطق و دہن
گر بہ زعمِ خود درونِ خانہ روغن داشت او … خود چراغِ چہرہ افروزد بسازد انجمن
وآنکہ رزق و رُوز خونِ رفتگان رنگین کند … حیف در حیف ست در طور و طریقِ اہلِ فن
نوسخن سنجان پے ترمیم مجبور آمدند … بے حفاظت ہست اکنون ہر سخنگوے کہن
ناخردمندان کہ اصلاحِ خردمندان کنند … شرم می آید، شرافت شد ز رُخ پردہ فگن
نظمِ موزون را چہ تقصیرے کہ ناموزوں کنند … نقشِ مانی را کند کہگل چو دست خشت زن
طوطیان لب بستہ از بیم جفائے جغد و بوم … بلبلان ضبطِ فغان از شورشِ زاغ و زغن
این جوان در کشتزارش قلبہ رانی کردہ است … جاے لالہ کاشتہ تخمِ مغیلان در چمن
باغبان در خواب و رمے اشترانِ بے زمام … سر زنان سرمست سوے سُنبل و سرو و سمن
مرہمِ زخمِ گنہ جز توبہ استغفار نیست … ہر کہ او توبہ کند باشد کہ بخشد ذو المنن
صورتِ دیوانِ حافظ را زنو کرد او صحیح … دوستان من کیستم در صدقش گویم چہ من
معذرت خواہ آمدم بیخود بصد عجز و دعا … اے خدا کن رحم براین نوسخندانِ وطن

بیخود کا شروع سے یہ دستور ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے خطوں کا جواب فارسی غزل کی صورت میں بھیجتا ہے۔ اس غزل میں اپنے احوال کے علاوہ وہ اپنے احساسات و جذبات کی بھی عکاسی کرتا چلا جاتا ہے۔ حیرت اور تعجب اس بات پر ہے کہ اس خالص دیہاتی آدمی نے گوشہ نشینی کی حالت میں اور ادبی مراکز سے دور رہ کر ایسی زبردست استعداد کیسے بہم پہنچائی ہے کہ وہ ایک ماہر زبان دان کی طرح کلمات و ترکیبات اور تشبیہات و استعارات وغیرہ سے بخوبی استفادہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے کلام میں نئے اور دلچسپ مضامین کی کمی نہیں۔ اس کی شاعری سادگی و سلاست کے ساتھ ساتھ پختگی کی حامل ہے۔ اس کے یہاں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اس کے اپنے ماحول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علاقے کی مخصوص اصطلاحات بھی نظر آتی ہیں ۔ اس نے کئی جگہ قرآنی تلمیحات سے بھی کام لیا ہے ۔

وہ انسان دوست ہے اور اپنی شاعری میں اسی انسان دوستی کی تبلیغ کرتا ہے ۔ وہ ایک مخلص مسلمان اور اہل بیعت و ائمۂ اطہار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا زبردست محب ہے ۔ اس کا دل دوسروں کے لیے کڑھتا ہے ۔ غرض اس کے اشعار میں عشق و عاشقی کے قصوں اور واردات کے علاوہ دوسرے موضوعات بھی ـــ مثلاً بے ثباتیِ دنیا ، جزا و سزا ، ہبوطِ آدم اور اس کے نتیجے میں انسان کی بے وقعتی ، محرومی و مایوسی اور خود اس کی اپنی غمزدگی ـــ بڑی دلسوزی ، رقت اور طنطنہ و طمطراق سے بیان ہوئے ہیں ۔

راقم نے بیخود کو لکھا کہ وہ اپنی تصویر بھجوائے تاکہ مضمون کے ساتھ شائع کی جائے ۔ اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ بعض نادر کتب اور گراں بہا دستاویزات اور میری تصاویر سب حوادث کی نظر ہو چکی ہیں ۔ نئی تصویر کے لیے فرصت درکار ہے ۔ میں آج کل مریض ہوں ۔ یہ دو غزلیں اپنے بیٹے سے لکھوا کر بھیج رہا ہوں ۔ پہلی غزل کی ردیف " آمد و رفت " سے اس نے دو مختلف صورتوں کی بڑے پیارے انداز میں عکاسی کی ہے جو کسی قدر شوخی کی بھی حامل ہے ۔ یہ غزل سراسر عشقیہ غزل ہے اور بیخود کے دلی جذبات و کیفیات کی عکاس ۔ اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

این چہ خوالبست کہ آن محسن و یار آمد و رفت — برخزان دیدہ چمن بادِ بہار آمد و رفت
دل کہ بے روے خوشش در غمِ او بودہ کہ او — چون نفس بردہ نہ در سینہ قرار آمد و رفت
حُسن گل گرچہ نہ آنست کہ ماند بر پاے — وقت خوش باد کہ بر بلبلِ زار آمد و رفت
اُو شد از چشم و من بیدل و حیران بے او — چون زخود رفتہ کہ او برچہ شعار آمد و رفت
او اگر آمد دگر رفت چہ نالی بیخود — قصہ در عمر ازین بیش ہزار آمد و رفت

دوسری غزل میں عشقیہ جذبات کے ساتھ ساتھ کسی قدر تصوف کا بھی رنگ ہے اور حضرت آدم کے حوالے سے اپنی لغزشوں ، کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف ۔ اور مقطع میں اپنی مفلسی کا ذکر کر کے اپنی آرزوئے حج کو تکمیل ناپذیر قرار دیا ہے :

گنجِ غم در سینہ دارم رُو بہ ویران کردہ ام — ہر چہ سلطان ازل فرمود " کن " ، آن کردہ ام

اس کا دوسرا مصرع حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ استادِ ازل گفت "بگو" می گویم

باقی چند شعر :

ہمچو آدم نقدِ خلدِ کوے او دادم زدست ۔۔۔ این قدر عصیان کہ من از ضعف و نسیان کردہ ام

کشتیِ امید و بیم در محیط آرزو ست ۔۔۔ ہر طرف سیل روان از چشمِ گریان کردہ ام

بر خریدِ التفات و مہرِ آن شیرین نگار ۔۔۔ دردِ دل را اندرین بازار ارزان کردہ ام

برقِ دہاج اندر آن میغِ سیاہ دیدم چو ماہ ۔۔۔ زان شعاعِ عشق مشعلِ دل را فروزان کردہ ام

حجِ کعبہ در نصیب بے زران بیخود چو نیست
از چہ رُو این ذکر و فکرِ غیرِ امکان کردہ ام

اب اس کی دوسری غزلوں کا انتخاب ملاحظہ ہو۔ حمد و ثنائے رب جلیل میں ایک طویل غزل ہے جس میں صرف خدا کی عظمت و بزرگی ہی کا ذکر نہیں بلکہ خود انسان کو جو مقام حاصل ہے اس کی طرف بھی اشارہ ہے اور زمانے کی بے مہری کا شکوہ بھی۔ اور یہ کہ اس کی ذاتِ گرامی کی ثنا میں ہر موے تن معروف ہے اور زبان اس کی ثنا سے عاجز ہے۔

حمد و ثنا کہ پرتوِ نورِ خورش کز و ۔۔۔ زینت گرفتہ مسندِ عرشِ پیمبری

حمد و ثنا کہ از ازل او میکند مدام ۔۔۔ بے امتیازِ مذہب و دین بندہ پروری

حمد و ثنا کہ تو نئی واقفِ ز سرِ خویش ۔۔۔ صد بحر و بر درونِ دل بینوا بری

حمد و ثنا ست اکبر و اللہ اکبر ست ۔۔۔ از خود درونِ تست گر از ذرّہ کمتری

حمد و ثنا کہ نقدِ دلِ من بہ نذرِ تست ۔۔۔ خواندم ز روے پاک تو آیات دلبری

حمد و ثنا کہ عزمِ تم تا آسمان رساند ۔۔۔ تا تو رفیقِ من شدی اے ماہ مشتری

ہر موے تن بمدحِ او گویاست بے صدا ۔۔۔ عاجز ترست از ان چو زبانِ سخنوری

بے مہریِ زمانہ و احوالِ ما بگو ۔۔۔ اے باد اگر بگلشنِ احباب بگذری

بیخود بشکرِ آن شہ عالیجناب باش
آن کو ترا گنجِ نہان کرد رہبری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"چہ گویم" کی ردیف میں غزل کہہ کر عشق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مصائب و آلام کے سامنے اپنی بے بسی کا سادہ انداز میں اظہار کیا ہے، اور کہیں "کیا کہوں" کہہ کر بھی کہنے والی بات کہہ دی ہے جس سے اس کے بیان میں زور پیدا ہو گیا ہے۔

از تابِ رخ و چہرہ تنم سوختہ ہم جان   وز تلخیِ این ہجرِ ستمکار چہ گویم
در صبر ہمی کوشم و ترسم کہ نگردد   بے نور مرا دیدۂ خونبار چہ گویم
ہر نقشِ مکلف کہ بہ وجہاتِ حیات است   بے مہر و وفا رنگِ سزاوار چہ گویم

درجِ ذیل غزل بھی اسی بحر و ردیف میں ہے۔ اس میں بھی بات کہنے کا انداز وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ اس میں دوست کی بے توجہی، تقدیر کے بارے میں تدبیر کی بے بسی اور انسان کا اس کے راز سے آگاہ نہ ہونا، خدا تعالیٰ کی غفاری و ستاری اور نااہلوں ناسمجھوں کے سامنے غمِ عشق کے اظہار سے اجتناب ایسے مضامین آ گئے ہیں:

دردے کہ زیار است بہ اغیار چہ گویم   حال آنکہ زخود ہست بآن یار چہ گویم
این نکتہ بتفسیر توان گفت نہ با کس   ناکردہ گنہ ہم کہ گنہگار چہ گویم
تدبیرِ من از نیتِ تقدیر ندانست   یارب چہ نہانست چہ اسرار چہ گویم
ہر عیب و خطا بیند و باکس نہ بگوید   بر عفو و خطا پوشی ستار چہ گویم
ہر کس نہ سخن داند و قدرش نکند ہم   بیخود زغمِ عشق بہ دیوار چہ گویم

یہ اشعار بیخود نے اپنے پیر جناب مختار حسین کی خدمت میں لکھے ہیں۔ ان میں دلکشی کے علاوہ ایک خاص طنطنہ ہے۔ چھوٹی بحر کی یہ غزل استادانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس میں بیخود نے اپنی پریشاں خاطری، حالات کے ہاتھوں دلفگاری، انسان کے مجبورِ محض ہونے اور پیر سے دستگیری کی درخواست کے علاوہ اپنی قسمت کی بے التفاتی کو موضوعِ شعر بنایا ہے:

پریشان خاطر و آشفتہ کارم   دگر از گردشِ دوران دلفگارم
بلوحِ قسمتم ناخوش نوشتند   بچشمِ دوستان معجز نگارم
حروفِ بختِ ناخوش، خوش نویسم   قلم اندر کفِ قدرت ندارم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متہم من عبث گشتم بہ قدرت چو او مختار و من بے اختیارم

اس ضمن میں میر تقی میر کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی چاہتے ہیں سو آپ کریں، ہے ہم کو عبث بدنام کیا

بچاہ افتادہ را گر دست گیری بیابی اجر از پروردگارم
درونم روشن از مہرِ جہانتاب نیاری ار چو ذرّہ در شمارم
بخاک افتادہ ام بیخودؔ چہ گویم کہ من از بندگانِ شہسوارم

کسی شخص نے بیخود کو دعوت پر بلایا لیکن اپنا نام و نشان اور اتا پتا نہ لکھا۔ اس پر اس نے ایک غزل کہہ ڈالی جس کی ایک نقل مجھے بھی ارسال کر دی۔ اس میں اس نے مذکورہ کوتاہی کی طرف اشارہ کیا اور اپنی ضعیفی و مفلسی کی بات کی ہے۔ اس بات کو غنیمت جانا ہے کہ ایک نامعلوم شخص نے محض محبت کے سبب اسے یاد کیا۔ اس نے زبان و بیان پر اپنی قدرت و چابک دستی کو ایک خاص طمطراق سے بیان کیا ہے۔ ایک جگہ ہم اساتذۂ فارسی (گورنمنٹ کالج لاہور) سے اپنی محبت و وابستگی کی عکاسی کی ہے اور آخر میں اپنی اس عادت کا اظہار کیا ہے کہ میں اس وقت تک کسی کو کچھ نہیں کہتا جب تک کوئی مجھے پریشان نہیں کر دیتا:

نامہ چاپیدہ رسید از یک کرم فرمائے من طاقتِ رفتن نہ ماندہ بود چون در پائے من
از قلم ننوشت نامِ خود نہ عنوانش نوشت بر چنین دعوت چو آیم، کو شود ملجائے من
عہدِ طفلیہا کہ نادیدہ شباب از من گذشت وز ضعیفی ضعف افتادست در اعضائے من
من یکے بیگانہ صورت چون بجمعی آن رسم شد چو در عزلت فسردہ شوقِ بزم آرائے من
ہمچو چو زِ آشیان در گوشہ افتادم زعم بر زمین سر داشت آن عزم فلک پیمائے من
بس غنیمت ہا کہ کس بے معرفت یادم کند یادِ او شد در دلم یارِ محبت زائے من
گرچہ صدہا لالہ و گل سوخت و ذراتِ ریگ گو کہ گل چینی پسندد در تفِ صحرائے من
سدِّ راہِ من شدہ ایں کم زدی خانہ خراب شد چو خواہندہ بسے در مکتبِ اعلائے من
مہربانیہا و احسان شد بایں یاد آوری من نہ گر ایم غضنفر[1] را بدان بر جائے من

---

[1] بیخود کا بیٹا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علوی[۲]، صدیقی[۳] و یزدانی[۴] و حامد خان[۵]، یمین[۶] شد پریشان در رہ ایشان دلِ دانائے من

بیخودم بیخود نگویم تا نہ آشفتم ز کس

ہم نہ کس شنود ز من شور و غل و غوغائے من

پروفیسر آغا صادق مرحوم کے نام اس منظوم خط میں اچھوتی تشبیہات سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑھاپے کی عکاسی کی ہے :

شاہِ خورشید کہ با حشمت و تاجِ زرکش — از سرم رفت و بہ سر چادرِ شامست اینجا
چرخِ صیاد و زمین کردہ کمین از ہر سو — طائرِ سدرہ در افتادہ بدامست اینجا
رہروانیم و غمِ زادِ قیامت ہیہات — نیست یک روزہ کہ دو روزہ قیامت اینجا
خاکِ آن دشتِ بلا آم کہ درین دارِ فنا — با بقا بستہ مواعیدِ دوامست اینجا
باغبان خیز کہ بر رونقِ این لالہ و گل — چشمِ بد اُشترِ بے بریدہ زمامست اینجا

معلوم ہوتا ہے کہ بیخود اس جہانِ کہنہ اور انسان سے بیزار و مایوس ہو چکا ہے ـ اسی بنا پر وہ تمام کائنات میں تغیر و تبدل کر کے اس کی نئے سرے سے تعمیر کا خواہاں ہے تاکہ تمام اوضاعِ عالم اس کی آرزو و خواہش کے مطابق اچھے اور درست ہو جائیں ـ اس کا دل مفلسوں کی حالت پر کڑھتا ہے ـ اس کے نزدیک ان لوگوں کا باطن کہیں زیادہ مفلس ہے جو خود کو، بزعمِ خویش بڑے "پھنے خاں" سمجھتے ہیں ـ ذیل کی غزل، ساری کی ساری، اس کے ایسے ہی جذبات و احساسات کی تصویر کشی کرتی ہے جن کا تعلق اس دنیا کے احوال و اوضاع سے ہے ـ یہ غزل جو بیس اشعار پر مشتمل ہے، جن میں سے بعض بڑے بولتے ہوئے شعر ہیں ـ اس غزل میں بیخود، جو بظاہر ایک خالص دیہاتی اور گوشہ نشین قسم کا آدمی ہے، ایک جہاں دیدہ صاحبِ مشاہدۂ وسیع اور زبان دان شاعر نظر آتا ہے ـ اس کا قاری اس کا ایسا کلام پڑھنے کے بعد اگر اسے دیکھے تو وہ کبھی یقین نہیں کرے گا کہ گدڑی کا لعل یہی ہے ـ چند اشعار دیکھیے :

---

[۲] پروفیسر افضل حسین علوی — [۳] پروفیسر ظہیر احمد صدیقی — [۴] راقم
[۵] ڈاکٹر حامد خان حامد صدر شعبہ — [۶] پروفیسر آغا یمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

این جهانِ کہنہ را خواہم بنا از نو کنم — آدمی از نو کنم ارض و سما از نو کنم
تختِ طاؤس و محلش را بیارایم زِ نو — عادلِ شاہ جہان را ماجرا از نو کنم
چون خداوندانِ نواز حالِ زارِ بیکساں — بے خبر خفتند، خوابِ خوش کجا از نو کنم
مفلسانِ با مروّت را کُلہ بر سر نہم — این کُلہ دارانِ مفلس را چہا از نو کنم
خصمِ بدخو را بدستِ خوے او بگذاشتم — دوستانِ نیک طینت را دعا از نو کنم
عاشقانِ بوالہوس را از رموزِ عاشقی — ہمچو یارانِ صفا عشق آشنا از نو کنم
سرکش و ہشیار و استاد اند اگر در دلبری — این بتان را نیز تعلیمِ وفا از نو کنم
بلبلانِ خوشنوا را باز ازین بند و قفس — بر تماشائے گُل و گلشن رہا از نو کنم
ہم دُر و خرمہرہ را دیدم بچشمِ امتیاز — تا بہ میزانِ خرد سنجم بہا از نو کنم
آن کہ در خواب آمد و بر وعدہ ٔ دیگر برفت — گر بدست افتد نہ دامانش رہا از نو کنم
مبتلا بودم ہمہ عمر و دلِ آن شوخ را — این زمان خواہم کہ بر خود مبتلا از نو کنم
چون بہ اغلاط کند آن یار اصلاح و لطف — بر امیدِ لطفِ بسیارش خطا از نو کنم
دردِ دل را اندرین بازار ارزان تر کنم — ہم خریدارانِ الفت را صلا از نو کنم
دوستان سازم وضو آن دم کہ از سوزِ درون — چون درونِ آبِ چشمِ خود شنا از نو کنم

جیسا کہ ملاحظہ ہوا، بیخود کے بعض اشعار میں سیاسی اوضاع سے متعلق بھی اشارات آ گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل غزل میں بھی ایسے اشارات ملتے ہیں۔ بعض اشعار میں تو اس نے اس سلسلے میں اپنے جذبات و احساسات کو کھل کر پیش کیا ہے جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک خاص سیاسی پارٹی کا مخالف ہے۔ وہ قرآن کی حکومت کا خواہاں اور "پان اسلامزم" کا زبردست حامی ہے۔ کسی کا مصرع ہے:

دنیا جوان تھی میرے عہدِ شباب میں

بیخود کی اس غزل کے بعض اشعار میں بھی کچھ اسی قسم کا احساس پایا جاتا ہے:

در دل ہوائے سیرِ گلستان نماندہ است — یا دل درونِ سینہ ٔ حیران نماندہ است
یا ہرچہ خواندہ ام کنون شد محو از دماغ — یا خود دماغ در سرِ نادان نماندہ است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر گشتہ است گوشِ نصیحت نیوش و ہوش　　مفقود و ذوقِ بزمی و بُستان نماندہ است
تا عرش بادِ ہُوے من زین پیش می رسید　　این دم زبانِ خستہ را افغان نماندہ است
بے دوستانِ دل کجا آن شوق و شغلِ شعر　　آخر چہ شد کہ شورِ حریفان نماندہ است
آن کو بہ " نان و پوشش و مسکن" حریص کرد　　افزود حرص و انس و انسان نماندہ است
اینک ز بو الفضولیِ عیاش باج خواہ　　دستار و جامہ بر تنِ عریان نماندہ است

(اگلے دو شعر کچھ زیادہ ہی تیز ہیں ، اس لیے انھیں حذف کیا جاتا ہے)۔

خواب ست یا کسے مرا گفتا بمژدہ خیز　　در دہر جُز حکومتِ قرآن نماندہ است
مرغِ چمن بہ ہمسرش میگفت غم مخور　　صیادِ دام گسترِ بستان نماندہ است
دامش گسست لیک ہر تارش برنگِ خاک　　ماندست در زمین مگر پنہان نماندہ است
صبحِ امید بر دمد از پر تو ضیب　　آن تیغ و خم بر زلفِ شبستان نماندہ است
شاخانِ یک شجر ہمہ اسلامیانِ دہر　　زین شرق و غرب فرق در ایشان نماندہ است
توفیقِ خیر، پیرِ دہ خواہد ز لطفِ حق　　در کشورم تصرفِ شیطان نماندہ است
خوش قسمتم کہ دوستان آیند بد عوتم　　گو خود خورش بہ کلبۂ دہقان نماندہ است
بیخود بخاک از فلک افگندہ اند مرا　　آدم درونِ روضۂ رضوان نماندہ است

اس غزل میں بیخود نے ہبوطِ آدم کو انسان کے تمام غم و الم اور حرمان و حسرت کا سبب قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق انسان اس سے قبل مرگ و حیات کے چکر سے آزاد تھا لیکن اسے آب و آتش، باد و خاک میں مقید کے ویران کر دیا گیا۔ اس ساری غزل میں ایک ہی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس نے یہاں ایک اچھوتا مضمون لیا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری مٹی سے تسبیح کے دانے بنائے گئے اور اس سے اس محبوب نے مجھے انگلیوں پر نچانا شروع کر دیا۔

من دُرِ نایاب بودم در تہِ دریاے " لا"　　نے خبر از شادی و غم بود تہ جانان مرا
زان عدم حکمِ ازل آورد در اقصاے غم　　با حریفانِ ہوا و حسرت و ارمان مرا
اندر آن مسکن نبُد این ماتمِ مرگ و حیات　　کرد اندر باد و نار و آب و گِل ویران مرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر کرا از مسندش بربند حالش چون بود — برزمین افگندہ اند از روضۂ رضوان مرا
طاہرِ باغِ جہان را شد جہان دام و قفس — یوسفم اما ہمین چاہ است واین زندان مرا
ہر کجا رفتم دلِ پُر درد م مغموم کرد — ناخوش از خلق و غلوص و خدمت خوبان مرا
چون درین عالم نیامد دامنِ تسکین بدست — ہر زر و گنج ہ گہر شد بازی طفلان مرا
از پسِ مُردن زخاکم دانہائے سبحہ کرد — باز کرد آن شوخ بر انگشتہا رقصان مرا
چند سیلِ روان آمد کہ آن باخود ببرد — برلبِ کوثر رساند این دیدۂ گریان مرا

گرچہ او خاکم بآب عشقِ خود بیخود سرشت
چہرہ نموده دگر جزُ چہرۂ انسان مرا

چوہدری خوشی محمد بیخودؔ بٹالوی کی چند غزلوں سے یہ انتخاب پیش کیا گیا ہے اور اس کا یہ کلام بیشتر آخری عمر کا ہے کیونکہ بقول اس کے اس کا زیادہ تر کلام (ظاہر ہے اس کا تعلق اس کے ایام شباب سے ہوگا) بدقسمتی سے سیلاب اور دوسرے حوادث کی نذر ہو چکا ہے۔ بہرحال اس کا یہ تھوڑا بہت کلام بھی، جو اب باقی بچ گیا ہے، اگر ہم اس کی گوشہ نشینی کی اور دیہاتی زندگی کو پیشِ نظر رکھیں تو، خاصا پُر ارزش اور وقیع ہے۔ اس میں پختگی ہے، تاثیر ہے اور جان ہے۔ ایک بوڑھے دیہاتی سے، جس نے ادبی مراکز سے دور آنکھ کھولی اور پرورش پائی، جس نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور محض ذاتی اور خداداد ذوق و شوق و اہلیت اور مطالعہ کے بل پر شعر گوئی میں طبع آزمائی کی، اس قسم کی شاعری بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ آج اگر فارسی زبان و ادب کو اپنا پہلا سا مقام حاصل ہوتا تو بیخودؔ کی پذیرائی یقیناً عمدہ پیمانے پر ہوتی۔ ہمارے یہاں کیسے کیسے گوہر ہائے نایاب محض قلندر منشی اور گوشہ نشینی کے سبب اپنی صحیح قیمت پانے سے رہ جاتے ہیں اور کیسے کیسے بونے اپنی پبلک ریلشننگ اور اخباری کالموں کی بیساکھیوں کے سہارے بڑے قد آور بن جاتے ہیں:

تفو بر تو اے چرخِ گردان تفو

بیخودؔ جیسے درویش صفت شاعر سے یہ گزارش بیجا نہ ہوگی کہ وہ پہلی فرصت میں اپنا کلام جمع کرے تاکہ وہ پھر غارت ہونے سے بھی بچ جائے اور فارسی شعر و ادب کے عشاق بھی اس سے کما حقہٗ استفادہ و استفاضہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ بیخودؔ کو صحت و سلامتی سے نوازے تاکہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکے۔ آمین

© rasailojaraid.com